فروری
۱۹۶۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

زیر ادارت

امین احسن اصلاحی

قیمت فی پرچہ ساٹھ پیسے۔

سالانہ چھ روپے (پندرہ شلنگ)

ماہنامہ میثاق لاہور
جلد (۱۰) شوال ۱۳۸۳ھ شمارہ (۲)

فہرستِ مضامین

● تذکر و تبصرہ	امین احسن اصلاحی	۲
● تدبر قرآن		
تفسیر سورۂ بقرۃ	امین احسن اصلاحی	۹
● افاداتِ فراہیؒ		
نبی اور مقامِ رسالت	جناب خالد مسعود صاحب	۳۵
● اقتباسات و تراجم		
قرآن سے بے تعلقی	محمود احمد صاحب	۴۵
اللہ پر توکل	" "	۴۶

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
منیجر ماہنامہ "میثاق"
رحمانپورہ ـــــ اچھرہ لاہور ۱۲

ہندوستانی خریداروں کیلئے ترسیل زر کا پتہ
منیجر ہفت روزہ "ندائے ملت"
باغ گونگے نواب ـــــ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

بھارت کی حکومت اپنی مسلم اقلیت کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت میں جس بُری طرح ناکام رہی ہے اگرچہ یہ بجائے خود تاریخ کی ایک نہایت المناک حقیقت ہے لیکن اس ناکامی سے بھی زیادہ المناک حقیقت یہ ہے کہ بھارت کے لیڈروں کو اپنی اس ناکامی کا کوئی احساس نہیں ہے۔ وہاں مسلمانوں کے ساتھ تقسیم ملک کے بعد سے برابر سولہ سترہ سالوں میں جو کچھ ہُوا ہے اور آج جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب بڑی آسانی کے ساتھ پاکستان کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے اور وہاں کا بڑا سے بڑا لیڈر بھی یہ کہتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے پاکستان میں ہونے والے فلاں اور فلاں واقعات کا "ردعمل" ہے۔

اگرچہ ردعمل کا یہ فلسفہ ہمارے نزدیک بالکل شیطانی فلسفہ ہے اور ہم یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ پنڈت جواہر لال نہرو، راج گوپال آچاریہ، جے پرکاش نرائن اور بھارت کے موجودہ فلسفی صدر جیسے لوگوں کے جیتے جی یہ شیطانی فلسفہ گاندھی جی کے فلسفہ پر عین ان کے ملک میں، انہی کے نام لیواؤں کے ہاتھوں، اس طرح غالب آجائے گا لیکن اپنی اس رائے کے باوجود ہم سچائی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اگر یہ فی الواقع پاکستان میں ہونے والے واقعات ہی کا ردعمل ہوتا تو کم از کم ہمیں بھارت کے لیڈروں اور اس کی حکومت سے کوئی شکایت نہ ہوتی ہم اگرچہ ردعمل کے اس فلسفہ کو جیسا کہ عرض کر چکے ہیں، شیطانی سمجھتے ہیں لیکن بہرحال ہم انسانوں کو انسان ہی سمجھتے ہیں، فرشتوں کی جماعت نہیں سمجھتے، اس وجہ سے ہم ان سے اس ظلم کو کچھ بعید نہیں خیال کرتے کہ وہ

پاکستان کے مسلمانوں کے قصور کا انتقام بھارت کے مسلمانوں سے لیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ صورت حال یہ نہیں ہے اور بھارت کے لیڈر اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بہت بڑے ظلم کے لئے یہ ایک نہایت ہی کمزور بہانہ تلاش کیا ہے۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ تقسیم کے بعد سے اِکا دُکا واقعہ پاکستان میں بھی فساد کی نوعیت کا پیش آیا ہے لیکن ان اِکا دُکا واقعات کو کیا نسبت ہے مظالم اور تباہیوں کے اس غیر منقطع اور لامتناہی سلسلہ سے جس میں بھارت کی مسلم اقلیت کو مبتلا کر دیا گیا ہے؟ یہاں کوئی ایک واقعہ بھی اس نوعیت کا کبھی پیش نہیں آیا جس نوعیت کے واقعات وہاں علیگڑھ، جبلپور، سنبھل آسام، بہار اور کلکتہ وغیرہ میں ابھی حال ہی میں پیش آچکے ہیں۔ اور تازہ اطلاع اسی قسم کے یکطرفہ ظلم کی بلند شہر کے متعلق آئی ہے۔ صرف تعداد ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ واقعات کی سنگینی کے لحاظ سے بھی دیکھئے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ابھی حال ہی میں کلکتہ اور اس کے اطراف میں درندگی، سفاکی، بہیمیت اور حرث ونسل کی جو بربادی اکثریت کے ہاتھوں ظہور میں آئی ہے وہ پاکستان کے کسی واقعہ کا ردعمل ہے۔ آخر اس نوعیت کا واقعہ پاکستان کے کس خطہ میں پیش آیا؟

ہر شخص جانتا ہے کہ ہم پاکستان کی حکومت کے مداحوں میں نہیں بلکہ اس کے نقادوں میں ہیں لیکن اس معاملہ میں ہم حکومت پاکستان کی زیادہ سے زیادہ تعریف کریں گے کہ وہ اقلیتوں کے تحفظ کے معاملہ میں نہایت نیک نیت اور مستعد ہے۔ اول تو یہاں ایسے واقعات پیش آئے ہی بہت کم ، اور اگر کبھی کوئی واقعہ پیش آیا بھی تو حکومت نے فوراً حالات کو قابو میں کر لیا۔ یہاں کے لیڈروں نے کبھی اس عذر کو اپنے لئے سپر نہیں بنایا کہ یہ بھارت کے واقعات کا ردعمل ہے۔ یہاں کی عام فضا اقلیتوں کے حق میں بھارت کی فضا سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں کے عوام میں اقلیتوں کے خلاف کوئی ادنیٰ تعصب بھی نہیں پایا جاتا۔ یہاں کی سیاسی پارٹیوں میں بھی کوئی پارٹی ایسی نہیں ہے جو ہندوؤں یا کسی غیر مسلم اقلیت کے خلاف کوئی معاندانہ جذبہ رکھتی ہو۔ ان معاملات میں سب سے زیادہ تنگ نظری کا الزام مذہبی جماعتوں پر لگایا جا سکتا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ پاکستان میں کسی جن سنگھ کا وجود نہیں ہے۔ اقلیتوں کے معاملے میں اسلام کی تعلیم بھی بہت واضح ہے اور مسلمانوں کی عام دینی غفلت کے باوجود اس بات کو بھولے نہیں ہیں کہ ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بڑی تاکید کے ساتھ

اپنی زندگی کے آخری لمحات مبارک میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ کی طرف سے ہے۔ اس وجہ سے کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اس ذمہ داری میں کوئی خلل پیدا کرے، نیز مسلمانوں کو یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر اقلیتوں کے ساتھ انہوں نے کوئی بدعہدی اور زیادتی کی تو قیامت کے دن خدا کی عدالت میں خود محمد رسول اللہ صلعم ان اقلیتوں کے وکیل ہوں گے۔ اسلام کی ان تعلیمات کا اور تاریخ کی روشن روایات کا یہ اثر ہے کہ پاکستان کی مذہبی جماعتوں میں سے بھی کوئی جماعت غیر مسلموں کے خلاف کوئی تعصب نہیں رکھتی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ پاکستان کا وہ کون سا عمل ہے جس کا ردعمل بھارت میں آئے دن مسلمانوں کے قتل عام اور ان کی عزت و آبرو کی بربادی کی شکل میں ہو رہا ہے۔

ہم یہ بات بھی پورے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں کہ پاکستان کے اندر شاید ایک مسلمان بھی ایسا نہ ملے جو عمل اور ردعمل کے اس شیطانی فلسفہ پر اعتقاد رکھتا ہو جس پر بھارت کے لیڈروں کا ایمان ہے۔ یہ فلسفہ اسلامی شریعت کے بالکل خلاف ہے۔ ہمارے ملک میں جو غیر مسلم اقلیتیں ہیں وہ صرف اپنے قول و فعل کی ذمہ دار ہیں، دوسروں کے قول و فعل کی کوئی ذمہ داری ہم ان پر نہیں ڈالتے۔ وہ اگر ملک کے قانون کی پابند اور ریاست کی وفادار ہیں تو حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کے جان و مال اور ان کے شہری حقوق کی ہر قیمت پر حفاظت کرے، اس بات سے ان کی عرفی حیثیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہو سکتا کہ کلکتہ میں ان کے ہم مذہبوں نے ہمارے اسلامی بھائیوں کا قتل عام کیا۔

اگرچہ ہم یہ توقع نہیں رکھتے کہ بھارت کے لیڈروں کی سمجھ میں ہماری کوئی بات آسکے گی تاہم حقیقت کا اظہار ایک فرض انسانی ہے اس وجہ سے ہم عرض کرتے ہیں کہ قومی جرائم پر "ردعمل" کا پردہ ڈال کر ان کو ہلکا دکھانا اپنے ضمیر کو موت کی نیند سلانا اور اپنی قوم کو ایسا زہر پلانا ہے جس سے پوری قوم پاگل ہو جائے حکمرانی ایک عظیم ذمہ داری ہے جس کی بنیاد عدل پر ہے۔ ہر حکومت کا یہ ابتدائی فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ہر طبقہ کے لئے امن، عدل اور قانونی انصاف کی ضمانت فراہم کرے۔ اسی سے حکومت کے قیام کے لئے جواز پیدا ہوتا ہے اور اسی کو فراہم کرنے کی خاطر خدا نے جو آسمان و زمین کا حقیقی حکمران ہے، اپنے نظام میں حکومت کے لئے ایک مقام تسلیم کیا ہے۔ اگر کوئی حکومت اپنی رعایا کے لئے امن و عدل فراہم نہیں کرتی تو وہ اپنے وجود کی ضرورت کی خود نفی کر دیتی ہے اور اس کے بعد قدرت اس حکومت کے وجود سے اپنی زمین کو پاک کر دیتی

ہے۔ اس معاملے میں قدرت بالکل بے لاگ واقع ہوئی ہے۔ اس کی میزان نے اپنے فیصلہ میں کبھی امتیاز نہیں برتا ہے اور آئندہ بھی وہ کبھی امتیاز نہیں برتے گی، خواہ معاملہ بھارت کا ہو یا پاکستان کا۔

عدل کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ کوئی اضافی صفت نہیں ہے کہ ہندو کے لئے آپ عادل ہوں اور مسلمانوں کے لئے غیر عادل۔ جو شخص ایک کے لئے غیر عادل اور ظالم ہے وہ سب کے لئے غیر عادل اور ظالم ہے۔ میں بحیثیت مسلمان کے یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اگر میں ایک غیر مسلم کے ساتھ انصاف نہیں کرتا تو اپنے باپ بھائی کے ساتھ بھی انصاف نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقت جس طرح انفرادی دائرے میں حقیقت ہے اسی طرح اجتماعی دائرے میں بھی حقیقت ہے۔ جو قوم مسلمانوں کے ساتھ عدل نہیں کر سکتی اس کے افراد خود اپنے ساتھ بھی انصاف نہیں کر سکیں گے اور جس طرح مسلمانوں کے لئے آپ کے پاس ردعمل کا عذر ہے اسی طرح ان میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی عذر ہاتھ آجائے گا جس کے پردے میں وہ اپنے ہر ظلم کو ثواب بنا لے گا۔ اس وجہ سے ہم بھارت کے لیڈروں سے یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے لئے بدآموزی کی یہ راہ نہ کھولیں۔ اس کا ہمیں تو جو نقصان پہنچیگا وہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ خدانخواستہ بھارت میں مسلمان ختم ہو جائینگے لیکن اس کا دوسرا پہلو، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہ ہے کہ قدرت کے قانون کی رو سے بھارت کی حکومت اپنے مقصد وجود کی نفی کر دے گی۔ ہم یقین رکھتے ہیں اور اس یقین کے لئے ہمارے پاس نہایت مضبوط دلائل ہیں کہ اگر گاندھی جی اس دنیا میں پھر آجائیں تو وہ اپنی قوم کو اس راستہ پر ہرگز جانے کی اجازت نہ دیں گے اگرچہ انہیں اس کی سزا میں کسی اور گوڈسے کے پستول سے دوبارہ مرنا ہی کیوں نہ پڑے۔ ہم از راہ محبت انسانی یہ آرزو رکھتے ہیں کہ کاش گاندھی جی کے نام لیواؤں میں کوئی شخص ایسا اٹھتا جو مسلمانوں کی خاطر نہیں بلکہ خود اپنی قوم کو اس زہر ہلاہل سے بچانے کی خاطر جان کی بازی کھیل سکتا!!

ہم اس امر واقعی کا اظہار و اعلان بھی برملا کرتے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان بھارت کے مسلمانوں کے معاملات سے کبھی اپنے آپ کو بے تعلق نہیں کر سکتے۔ ان کے ساتھ ہمارا ایمانی رشتہ بھی ہے اور خونی رشتہ بھی۔ ان دو مضبوط رشتوں کی موجودگی میں یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنے آپ کو ان سے اور ان کے حالات و مسائل سے بالکل بیگانہ بنا لیں۔ اسی طرح ہم یہ توقع بھی نہیں رکھتے کہ بھارت کے ہندو پاکستان کے ہندوؤں کے معاملات و مسائل سے بالکل بے تعلق ہو جائیں گے اس لئے کہ

ہماری ہی طرح وہ بھی اپنے بھائیوں سے دو دو بندھنوں میں بندھے ہوئے ہیں لیکن اس امر واقعی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک امر واقعی ہے کہ بھارت کے مسلمان اور پاکستان کے ہندو اپنی اپنی حکومتوں کی رعایا ہیں۔ ان گوناگوں تعلقات اور ذمہ داریوں کو حسن و خوبی اور کامیابی کے ساتھ نباہنے کی بھارت اور پاکستان دونوں کے لئے ایک اور صرف ایک ہی راہ ہے ۔ وہ یہ کہ دونوں حکومتیں اپنی اپنی اقلیتوں کو امن، عزت اور عدل کی زندگی فراہم کریں ۔ یہ نہایت واضح حقیقت ہے جس کے سمجھنے کے لئے معمولی عقل بھی کافی ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ پاکستان نے اس حقیقت کو سمجھنے میں ایک دن کی دیر بھی نہیں لگائی ۔ ہمیں یاد ہے کہ قائدِ اعظم نے قیام پاکستان کے بعد اپنی تقریر میں نہایت واضح الفاظ میں اس کا اعلان کر دیا تھا ۔ اور یہاں کے مسلمانوں نے صدق دل سے ان کے اس اعلان کو قبول کر لیا ۔ گاندھی جی بھی اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھے اور انہوں نے بھی اس کے اظہار و اعلان میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن افسوس ہے کہ ہندو قوم نے من حیث القوم اب تک اس حقیقت کو قبول نہیں کیا ۔ پاکستان کے قیام سے اس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف ایک ایسی گرہ پڑ گئی ہے جو کسی طرح کھلتی ہی نہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ وہ پاکستان کو تسلیم کرنے پر اپنے دل کو راضی کر سکی نہ مسلمانوں کو اپنے اندر گوارا کرنے کے لئے ۔ اسی بات کا یہ نتیجہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کا موسم ہمیشہ گرم رہتا ہے اور یہ بات شاید اب تک وہاں بڑے بڑوں کی سمجھ میں بھی نہیں آئی کہ غصہ اور انتقام کے جذبات وقتی طور پر تو اپنے اندر کچھ جواز کے پہلو ممکن ہے رکھتے ہوں لیکن اگر کوئی قوم انہی جذبات کو اپنا کیش و مشرب بنا لے تو عالم انسانی کی پوری تاریخ شہادت دیتی ہے کہ ایسی قوم دوسروں کو بہانے کے بجائے خود ان جذبات کے سیلاب میں بہ گئی ہے ۔

اب ہمارے بھارت کے ہندو بھائیوں کو یہ بات مان لینی چاہیئے کہ پاکستان ایک حقیقت ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی مان لینی چاہیئے کہ ۵ کروڑ مسلمان جو بھارت میں موجود ہیں وہ بھارت کے شہری ہیں اور اکثریت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے حقوق تسلیم کرے اور ان کی حفاظت کرے ۔ حقائق اور ذمہ داریوں کو تسلیم کرنے ہی سے قومیں سرخرو ہوتی اور عزت پاتی ہیں ۔ اس کے برعکس اگر کوئی قوم حقائق کو جھٹلائے اور ذمہ داریوں کو پامال کرے تو اس سے وہ دوسروں کی راہ میں جتنی مشکلیں پیدا کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ خود اپنی راہ کانٹوں سے بھر دیتی ہے ۔ اب پاکستان کی مخالفت کا وقت

گزر گیا اب پاکستان اور بھارت دونوں واقعات کی شکل میں موجود ہیں اور دونوں ملکوں کی بہبود کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دوست اور خیر خواہ بنیں اور ان باتوں سے بچیں جو باہمی تعلقات کو خراب کرنے والی ہیں۔ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ بھارت کے مسلمانوں کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن سے تعلق رہنا پاکستان کے مسلمانوں کے لئے ممکن نہیں ہے اس وجہ سے اگر بھارت میں مسلمان اسی طرح پامال ہوتے رہے جس طرح آج پامال ہو رہے ہیں تو اس کا یہ ردعمل تو انشاء اللہ ہرگز نہیں ہوگا کہ یہاں ہندو اقلیت کو کوئی ضرر پہنچے لیکن یہ نتیجہ ضرور نکلے گا کہ بھارت اور پاکستان ایک دوسرے کے کبھی دوست نہ ہو سکیں گے۔ اب یہ بھارت کے لیڈروں کا کام ہے کہ وہ ذہنی توازن کے ساتھ دیکھیں کہ یہ عمل اور ردعمل کا خونیں ڈراما ان کے لئے اور ہمارے لئے مفید ہے یا دوستی اور اعتماد کی وہ فضا جس میں دونوں ملک اپنی تعمیری سرگرمیوں میں مصروف ہو سکیں۔

آخر میں ہم بھارت کے مظلوم مسلمانوں سے بھی ایک بات کہنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ ان کی زندگی اور عزت دونوں کی ضمانت ایمان میں مضمر ہے۔ ایمان کے ساتھ زندگی بھی زندگی ہے اور موت بھی زندگی ہے۔ ایمان پر جمے رہنے کی صورت میں مومن مرتا نہیں ہے بلکہ اپنی موت سے ہزاروں لاکھوں زندگیاں پیدا کرتا ہے۔ اصلی طاقت انسانوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا ہاتھ غیب مرئی ہے لیکن ہے بڑا طاقتور وہ دیر میں نمودار ہوتا ہے لیکن مظلوموں کے لئے نمودار ضرور ہوتا ہے اور جب نمودار ہوتا ہے تو کوئی اس کو روک یا پکڑ نہیں سکتا۔ اس کے نمودار ہونے کا وقت وہ ہوتا ہے جب مومن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگتا ہے لیکن وہ بے صبر یا مایوس نہیں ہوتا بلکہ اپنے رب اور صرف اپنے رب ہی سے آس لگائے، اُمید کا دیا جلائے، ناصر غیب سے لو لگائے ایمان پر جما رہتا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اگر بھارت کے مسلمانوں نے ایمان کی حبل اللہ مضبوطی سے تھامے رکھی تو وہ کتنے ہی بے سہارا اور ناتواں کیوں نہ ہوں لیکن یہ رسی بڑی مضبوط ہے، انہیں کوئی طاقت بھی ہلا نہ سکے گی۔ کیا عجب کہ خدا نے تمام جھوٹے سہاروں سے اسی لئے ان کو الگ کیا ہو کہ ان کے لئے تنہا اپنے سہارے کی شانیں دکھائے۔ ہم یہ دُعا کرتے ہیں کہ خدا ہر آزمائش میں ان کا یار و ناصر ہو۔

سب سے آخر میں ہم پاکستان کے مسلمانوں کو وہ بات پھر یاد دلانی چاہتے ہیں جس کی طرف ہم نے اُوپر اشارہ کیا ہے کہ انفرادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی کے کسی گوشے میں بھی "ردعمل" کا وہ فلسفہ

ہمارے لئے رہنما نہیں بن سکتا جو زید کے جرم کا انتقام بکر سے لینے کو جائز ٹھہراتا ہو۔ اس ملک کی اقلیتوں کے ساتھ ہمارا معاملہ اسلام کے اسی اصول پر مبنی ہوگا جس کا حوالہ ہم نے اُوپر دیا ہے کہ جب تک وہ ملک کی وفادار ہیں ہم ان کے جان، مال، عزت، مذہب اور حقوق کے محافظ ہیں اور ہماری حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان کی ان ساری چیزوں کی حفاظت کرے اور ملک کی سیاسی زندگی میں ان کو تمام آئینی راستوں سے فائدے اُٹھانے کے مواقع بہم پہنچائے۔ یہ صرف سیاست اور جہاں بانی ہی کا تقاضا نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان اور ہر اسلامی حکومت پر خدا اور رسول کا مقرر کیا ہوا فریضہ ہے اور جو مسلمان بھی اس کی خلاف ورزی کریگا وہ اسلامی شریعت کی مخالفت کرے گا اور قیامت کے دن خدا کی عدالت میں اس کے خلاف خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استغاثہ دائر فرمائیں گے۔ اس اصول کے احترام میں اس بات سے کوئی فرق واقع نہیں ہو سکتا کہ بھارت میں مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ بھارت کے ہندوؤں کے کسی فعل کی ذمہ داری بھی ہماری اقلیتوں پر نہیں ہے۔ پاکستان کی حکومت کو اگر بھارت کے مسلمانوں کا درد ہے (اور یہ درد اسلامی رشتے کی بنا پر لازماً ہونا چاہیئے) تو وہ حکومتی سطح پر اس سلسلے میں جو قدم مناسب خیال کرے اُٹھائے (اور اس پر یہ حق ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے وہ قدم اُٹھائے) لیکن یہ بات ہم صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کا مطالبہ ہم سے یہی ہے کہ ہمارے ملک کی اقلیتیں جب تک اپنے عہد کی وفادار ہیں ہم پر فرض ہے کہ ان سے کئے ہوئے عہد اور ان کو دی ہوئی ضمانت کے ہم وفادار رہیں۔

اس معاملے کا ایک نازک پہلو بھی ہے جس کو خاص طور پر ہر پاکستانی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے وہ یہ کہ بھارت نے چونکہ مسلمانوں پر مظالم ڈھانے کے لئے ردعمل کا بہانہ اختیار کیا ہے اس وجہ سے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پاکستان میں اگر رائی کے برابر بھی کوئی زیادتی کی بات ہو تو وہ اس کو پربت بناتا ہے تاکہ مسلمانوں پر پہاڑ گرانے کے یہ رائی اُوٹ کا کام دے سکے۔ اس پہلو سے بھی ہمارے لئے صحیح روش یہی ہے کہ ہم کوئی چھوٹا سے چھوٹا بہانہ بھی ایسا نہ پیدا ہونے دیں جو اسلام کی بدنامی اور ہمارے دینی بھائیوں کی بربادی کے لئے پردے کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

افاداتِ فراہیؒ

جناب خالد مسعود صاحب

نبی اور مقامِ رسالت

قرآن مجید اور دوسرے آسمانی صحیفوں پر گہری نگاہ رکھنے والے شخص سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہتی کہ انبیائے کرام کا گروہ انسانوں کا وہ گروہ تھا جس کی بشریت کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور رب فیاض نے ان کی انفرادی استعداد کے مطابق ان پر وحی بشری کا فیضان کیا تھا۔ فطرت انسانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، اور قرآن بھی اس کی خبر دیتا ہے، کہ انسان کی تخلیق کے وقت خدا نے اس کے اندر روح قدسی پھونک کر اسے عزت بخشی۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انسان کو ایک عادل و رحیم رب کے وجود کا الہام کیا گیا ہے جس کی تعبیر ذیل کی آیات سے ہوتی ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (فاتحہ ۱—۳)

شکر حقیقی کا مستحق اللہ ہے جہانوں کا رب، رحمان و رحیم، روز جزا کا مالک۔

یہ الہام کثیف نفوس میں تو دب جاتا ہے، لیکن جہاں تک پاکیزہ طبیعت اور صحیح فطرت رکھنے والے انسانوں کا تعلق ہے، انہیں اس حقیقت کا اتنا واضح یقین ہوتا ہے کہ اس میں شک و تردد کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اسی لئے وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کے منصب پر فائز کئے جاتے ہیں، پہلے سے جزا و سزا اور عدل و قسط پر یقین رکھتے ہیں اور ظلم اور کفران نعمت سے اپنا دامن بچائے رکھتے ہیں ان کے دلوں میں نبوت سے پہلے بھی مخلوقات کے لئے رحم و شفقت اور رب منعم کے لئے عبودیت و توکل کے جذبات موجزن ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن ہی سے خدا کی صفت عدل پر پورا پورا یقین تھا

اور وہ اپنے بھائیوں کی زیادتی سے واقف تھے، اس لئے جب ان کے بھائیوں نے انہیں اندھے کنوئیں میں پھینکا تو فوراً انہیں اشارہ ہوا کہ بھائیوں کا ظلم کسی روز آشکارا ہو کے رہیگا۔ قرآن میں ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (یوسف ۱۵)

پھر جب وہ اس کو لے کر گئے اور اس کو اندھے کنوئیں میں پھینکنے کا فیصلہ کر لیا تو ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو ان کی اس کرتوت سے انہیں ضرور باخبر کرے گا اور وہ شعور نہ رکھتے ہوں گے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی نوعمر ہی تھے کہ ایک مظلوم کی نصرت وحمایت کے جذبے کے تحت انہوں نے ایک ظالم قبطی کو مکا رسید کر دیا۔ دوسرے انبیائے کرام کے حالات میں بھی اسی طرح کے واقعات ملتے ہیں۔

بندہ جب اپنے رحیم پروردگار کو پہچان لیتا ہے اور اس حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کی نعمتوں کی بدولت زندہ ہے تو اس کے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ خدا کے عدل پر بھروسہ کرتا ہے اور قیامت کی جزا و سزا کے ایک شدنی امر ہونے کا یقین کر لیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بندہ ہر طرف سے کٹ کر خدا کا ہو رہتا ہے، اس کی مقرر کردہ بندشوں میں رہ کر تسکین پاتا ہے اور تمام معاملات میں اسی کی مدد کا طالب ہوتا ہے۔ بندے کی اسی کیفیت کو اس دعا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (فاتحہ ۴)

ہم تیری ہی بندگی کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

اس وقت آدمی کی سب سے اہم و برتر حاجت، جس کا وہ خدا سے سوال کرتا ہے، یہ ہوتی ہے کہ وہ اسے عدل کے ان رستوں پر چلائے جو پروردگار کے ہاں پسندیدہ ہیں۔ انہی رستوں پر چل کر اطاعت و عبودیت کا وہ مقصود حاصل ہوتا ہے جس کا تقاضا مخلوقات سے کیا گیا ہے۔ اس طریقہ سے آدمی خدا کے مطیع بندوں کے نقش قدم پر چلتا اور گمراہی کے ان گڑھوں میں گرنے سے بچ جاتا ہے جو رب سے اس کو دور کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہی حقیقت ذیل کی آیات میں بیان ہوئی ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ

ہمیں سیدھے راستے پر چلا (یعنی عدل وحق کے

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (فاتحہ ۵، ۶)

راستے پر جو خدا تک پہنچاتا ہے) ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا (یعنی وہ انصاف پسند لوگ جن کو خدا نے اپنے راستے پر چلنے کی توفیق دی) نہ ان کا جن پر غضب ہوا (کیونکہ انہوں نے علم ہونے کے بعد حق کو چھوڑا اور اس پر دنیوی زندگی کو ترجیح دی) اور نہ گمراہوں کا (جن کے دل بداعمالی کے سبب سے سیاہ ہو گئے، انہوں نے علم کے دروازے اپنے اُوپر بند کر لئے اور جانوروں کی طرح اندھے بہرے بن گئے)۔

اسی سیدھے راستے کی ہدایت وہ کامل بشری وحی ہے جو فطرت انسانی کے کمال کے مطابق حاصل ہوتی ہے۔ ایک طاہر و مطہر نفس اپنی پاکیزہ فطرت کے باعث اسے سنتا ہے کیونکہ صرف پاکیزہ فطرت ہی روح قدسی کا مہبط بن سکتی ہے۔

نبی جب اس فطری الہام سے بھر چکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی کا اضافہ کر دیتا ہے تاکہ وہ ظالم لوگوں کو تنبیہہ کرے۔ نبی کی تعلیم کی ابتدا توحید اور قیامت کی جزا و سزا کے تصور سے ہوتی ہے، جس کی بنیاد شکر اور جس کا ضد کفر ہے۔

نبی اپنی ذات میں ایک پیغام ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں اس کا ذکر پیغام کے بدل کے طور پر آیا ہے۔ سورہ طلاق میں ہے۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۝ (طلاق ۱۰)

اللہ نے تمہاری طرف ذکر نازل کیا ہے یعنی رسول جو تمہیں اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ تمہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکالے۔

اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ کا اخلاق قرآن تھا۔ یعنی قرآن کے آئینہ میں حضور کا عکس دیکھ لو۔ جو کچھ اس میں ہے وہ آپ کے اخلاق کے موافق ہے۔ یہ حقیقت بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک فنکار کی تصویر میں اس کا ذہن جھلکتا ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی وحی ہے لیکن نبی کے اخلاق سے پوری مطابقت رکھتی ہے کیونکہ خدا کا کلام اسی شخص پر نازل ہوتا ہے جس کے اندر اس

کے قبول کرنے کی پوری استعداد ہو۔

قرآن میں رسول کا لفظ "ذکر" کے بدل کے طور پر بالکل اسی طرح آیا ہے جس طرح "عذاب" کا بدل فرعون آیا ہے۔ فرمایا

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ مِنْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ (دخان)

ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب یعنی فرعون سے نجات دی۔ بلاشبہ وہ حد سے گزرنے والوں میں کا ایک جابر تھا۔

یہاں بھی یہ حقیقت ظاہر کرنی مقصود ہے کہ فرعون مجسم عذاب تھا۔

بعثتِ انبیاء کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر انبیاء بھیجنے کا سلسلہ کیوں شروع فرمایا؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ ہمارے نزدیک اس سوال کا یہ جواب صحیح نہیں کہ انسان کی عقل خدا کی معرفت اور عدل کے تصور سے خالی تھی، اس لئے خدا نے انبیاء کو اس کی ہدایت پر مامور فرمایا۔ یہ دونوں چیزیں تو عقل انسانی میں موجود تھیں۔ انبیاء صرف ان کی یاددہانی کرانے کے لئے آئے۔ مزید برآں ان کی بعثت کا ایک مقصود یہ بھی تھا کہ انسان کے لئے حقیقت کے دو گواہ ہوں، ایک اس کے باطن میں عقل، دوسرا خارج میں وحی۔ تاکہ ہدایت حاصل کرنے کے متنوع ذرائع کی موجودگی میں اس پر خدا کی حجت تمام ہو سکے۔ اس حقیقت کو سورہ انعام میں یوں بیان فرمایا ہے۔

يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِى وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا۟ شَهِدْنَا عَلَىٰٓ أَنفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا۟ كَٰفِرِينَ ذَٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَّ

اے گروہ جن وانس، کیا تمہاری طرف تمہی میں سے رسول نہیں آئے جو تمہیں میری آیات سناتے تھے اور اس دن کی ملاقات سے تمہیں متنبہ کرتے تھے۔ وہ کہیں گے، ہم اپنے اوپر گواہ ہیں۔ دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں رکھا اور وہ اپنے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ یہ اس لئے ہے کہ تیرا رب بستیوں کو ان کے گناہوں

اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ کے سبب سے اس حال میں ہلاک کرنے والا نہیں جبکہ (انعام-۱۳۱) وہ بے خبر ہوں۔

دوسری جگہ فرمایا۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (نساء-۱۶۵) اور بھیجے رسول بشارت دینے والے اور تنبیہہ کرنیوالے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس خدا کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

گویا حق و باطل میں فرق کرنے کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے ہماری فطرت میں بصیرت و دیعت کر دی لیکن ہم پر مزید فضل یہ فرمایا کہ تنبیہہ و تذکیر کے لئے رسول بھیجے۔

ایک عقلمند آدمی جب یہ دیکھتا ہے کہ دُنیا میں خواہشات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہُوئے ہیں، عقل کی گمراہیاں پھیلی ہُوئی ہیں اور نفس کی تربیت کے سلسلہ میں ارباب عقل کی رائیں باہمد گر مختلف ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے رسول بھیج کر راہ ہدایت روشن رکھی ہے۔ وہ اسی کو ذریعہ نجات سمجھ کر مطمئن ہو جاتا ہے، اسی پر ثابت قدم رہتا ہے اور اسی کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں نجات کا راستہ اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور وہ امن چین اور قلبی اطمینان کے ساتھ اس پر اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ ہدایت کے نقطہ نظر سے اس شخص کے لئے نبی کا وجود اسی طرح غنیمت ہوتا ہے جس طرح دُنیا کے مسائل میں اسٹیٹ کا وجود غنیمت ہوتا ہے جو ملک میں احکام عدل کے نفاذ کا باعث ہوتی ہے اور جس کے تحت رہتے ہوئے ہر شخص کا مفاد حاصل ہوتا اور تہذیب و تمدن جس سے ترقی پاتا ہے۔

جو شخص نبوت کی ضرورت کا منکر ہو، اس کی مثال اس شخص سے بھی بدتر ہے جو اسٹیٹ کی ضرورت کا قائل نہ ہو اور معاشرت و تمدن جیسے فطرت انسانی کے اہم ترین تقاضوں کو ختم کرنے کی دعوت دیتا ہو۔ اگر حقیقت یہی ہوتی کہ نیکوکاروں کے لئے انبیاء کا وجود اسی طرح ضروری نہ ہوتا جس طرح بادشاہوں کا وجود ضروری ہے تو ہمیں تاریخ انسانی میں ریاست اور نبوت دونوں کا پہلو بہ پہلو وجود نظر نہ آتا۔ ان دونوں کا ساتھ ساتھ پایا جانا ہی اس بات کا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ انسان کی فطرت میں

دونوں کا داعیہ موجود ہے اور انسان اصلاً عدل کو پسند کرتا ہے، یوم آخرت کے وقوع اور عملوں کی جزا پر یقین رکھتا ہے اور ایک عادل خدا کو مانتا ہے۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ اگر انسان کی اصل فطرت یہی تھی تو دنیا میں گمراہی و سرکشی کے علمبرداروں کا وجود کیا معنی؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ جس طرح ریاست کے باغیوں، ملک میں فساد پھیلانے والوں اور رعایا پر ظلم کرنیوالے جابر حکمرانوں کے پائے جانے سے انسان کے اندر عدل کی فطرت کی نفی نہیں ہوتی، اسی طرح گمراہوں اور بدکرداروں کے وجود کی بنا پر انسان کی نیکی کی فطرت کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح کے لوگ ہمارے نزدیک ایک بیماری میں مبتلا ہیں جبکہ فطرت انسانی ان امور پر مشتمل ہے جن کا تقاضا ایک انسان اپنی صحت کی حالت میں کرتا ہے۔ اور اُوپر ہم واضح کر چکے ہیں کہ توحید انسان کی اصل فطرت ہے۔

انبیاء کی ضرورت کے بارے میں دو باطل نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ فطرت انسانی کو اس سے زیادہ اہمیت دیتا ہے جس اہمیت کی وہ واقعی مستحق ہے۔ یہ لوگ انبیاء کی ضرورت کے قائل نہیں۔ دوسرا گروہ فطرت کو اس کے اصل مقام سے گرا کر یہ کہتا ہے کہ انسان کے فطری شر اور نفس کی ناپاکی کے باعث نجات کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ دونوں گروہ انسان کی فطرت کو اس کی اصل شکل میں نہیں دیکھتے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ مخلوقات کے معاملات محض امکان یا اتفاق پر منحصر نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی قوتوں میں اضافہ پہ اضافہ کر کے ان پر احسان کرتا ہے۔ مثلاً وُہ چاہتا تو کھانے کی ایک ہی قسم پیدا کرتا یا روزی کمانے کا ایک ہی ذریعہ مقرر کر دیتا۔ اسی طرح اگر وہ انسانوں کو ایک آنکھ اور ایک کان عطا کرتا تو انہیں اسی پر قناعت کرنی پڑتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بندوں کو اَن گنت نعمتیں عطا کرتا ہے اور بے شمار امور میں دوسری مخلوقات پر ان کو فضیلت بخشتا ہے۔ ہدایت کے معاملہ میں بھی اس نے انسانوں کیلئے متعدد اسباب ہدایت پیدا کئے اور اسے صرف فطرت ہی پر نہیں چھوڑ دیا۔ اس طرح اس نے ایک طرف تو انسان پر اپنی نعمت تمام کی اور دوسری طرف اس پر حجت قائم کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر وہ ہدایت کے معاملہ میں محض فطرت کی بنیاد پر انسانوں کا مواخذہ کرتا تو یہ بھی عدل ہوتا کیونکہ آسمان و زمین خدا کی نشانیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ رسُول اور کتابیں بھیج کر ان پر مزید احسان فرمایا۔ قرآن

میں شریعت کو نعمت قرار دینے[۱] کی ایک وجہ یہ بھی ہے ۔ رسول بندگان الٰہی کو ان لوگوں کے بُرے اعمال کی تقلید سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں جو نیکی کے راستہ سے ہٹ کر چلتے ہیں اور جو اپنے حقیقی آقا اور مولی سے منہ موڑے ہوئے ہوتے ہیں ۔

اب اگر کوئی شخص رسولوں کی بات پر دھیان نہیں دیتا حالانکہ وہ پورے جذبہ خیر خواہی ، پوری وضاحت اور نہایت قطعی دلائل کے ساتھ کہی جا رہی ہے تو وہ خود اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے ۔ اور اس پر وہ خود ہی ملامت کا مستحق ہے ، نہ کہ کوئی اور ۔ اولاً تو وہ خود اپنے آقا سے بھاگا ہے ۔ ثانیاً وہ بلانے والے کی بات بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہے ۔ ثالثاً وہ ان تمام بُرے نتائج کا منکر ہے جو اس کی شرارت کی پاداش میں اس کے سامنے آنے والے ہیں ۔

نبی کی بعثت قوم کا یومِ حساب ہوتا ہے

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ کسی قوم میں نبی کی بعثت ان کے لئے حساب اور فیصلہ کے دن کی حیثیت رکھتی ہے ۔ یہ بات قرآن سے بھی واضح ہوتی ہے اور دوسرے صحیفوں سے بھی اسی کی تصریح ہوتی ہے ۔ لہٰذا بعثت کے بعد باطل پر حق کے غلبہ کا وقت قریب آجاتا ہے ۔ قوم کے اس بحران کے زمانہ میں تین حالتوں میں سے کوئی نہ کوئی حالت ضرور ظہور میں آجاتی ہے ۔

---

[۱] مثال کے طور پر حسب ذیل آیات ملاحظہ کیجئے :

۱ ۔ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ٥ (بقرہ ۔ ۴۷)	اے بنی اسرائیل میرے اس انعام کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیا اور میں نے تم کو دنیا والوں پر فضیلت دی ۔

اس آیت میں اس نعمت کا حوالہ دیا گیا ہے جو بنی اسرائیل کو شریعت عطا کر کے برگزیدہ کرنے کی شکل میں ظاہر ہوئی ۔

۲ ۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ (مائدہ ۔ ۷)	اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو اور اس کے اس عہد کو جو اس نے تمہارے ساتھ ٹھہرایا ۔

اس آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے ، انہیں نعمت شریعت کا احساس دلایا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ شریعت اللہ تعالیٰ کے درمیان اور ان کے درمیان ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ (مترجم)

چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار بخشا ہے اس لئے اس نے اختیار سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ایک وسیع مدت مقرر کر دی ہے۔ اس مدت میں انسان اپنی طبعی خباثتیں خوب نکال لیتا ہے جب ایک قوم فطرت کی حدوں کو پامال کرتی چلی جاتی ہے اور باطل ہی کی طرف جُھک کر اسی میں غوطہ زن ہو جاتی ہے تو خدا اس کی آزمائش کا پیمانہ لبریز کر دیتا ہے، عدل وجزا کے ظاہر ہونے کا وقت آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس قوم کو تباہ کر کے کسی دوسری قوم کو زندگی بخشتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور پیغمبر عالمؐ کی بعثت میں یہی معاملہ پیش آیا۔ حضرت یعقوبؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی ذریت کے انتقام میں فرعون اور کسریٰ کی قومیں مٹا دی گئیں۔

کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک قوم اپنی شرارتوں کی پاداش میں ہلاک کر دی جاتی ہے مگر اس کی ذریت میں سے خدا ایک نئی اُمت برپا کر دیتا ہے۔ اور یہی جماعت ہلاک ہونے والوں کی جگہ زمین کی وارث بنتی ہے۔ یہ عمل بالکل اسی طرح کا ہے، جس طرح کا عمل ہمیں حیوانات و نباتات میں نظر آتا ہے۔ ان کے لئے ایک مُدت مقرر ہے۔ جب یہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو نئی نسل ان کی قائم مقام بن جاتی ہے۔ اکثر انبیاء کی اُمتوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم اپنی سرکشی کے سبب سے تباہی اور ہلاکت کی آخری منزلوں تک پہنچ جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی غفلت پر گرفت نہیں کرتا۔ پھر یہ قوم یک بیک پیغمبر کی دعوت سے چوکنی ہو جاتی ہے، اس کا ایک حصہ خدا کے آگے عاجزی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو برکت دیتا ہے۔ اور باقی قوم پر حجت تمام کرنے کے لئے انہی لوگوں کو منتخب کر لیتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت یونسؑ، حضرت یوسفؑ اور پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوموں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔

بہر حال نبی کی بعثت کے ساتھ ہی عدل کے ظہور کا وقت قریب آجاتا ہے اور نبی کی ذات گویا عدل وحساب کا مظہر ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ — حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ — مٹنے ہی والی چیز ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کی طرف قرآن مجید کی متعدد آیات میں اشارات کئے گئے ہیں۔ سورۂ یونسؑ

میں ہے۔

اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

(یونس ۴۶ - ۴۹)

یا تو جس چیز کی ہم ان کو دھمکی دے رہے ہیں، اس میں سے کچھ ہم تم کو دکھا دیں گے یا یہ ہوگا کہ ہم تم کو تو وفات دیں گے اور ان کا پلٹنا ہماری طرف ہوگا۔ پھر اللہ ان کے اعمال پر گواہ ہوگا۔ ہر اُمت کے لئے ایک رسول ہے جب ان کا رسول آجاتا ہے تو عدل کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جاتی۔ وہ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ دھمکی کب پوری ہو گی۔ کہہ دو میں تو اپنی جان کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ مگر جو اللہ چاہے۔ ہر اُمت کے لئے ایک اجل معین ہے۔ جب ان کی اجل آ جائے گی، نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹیں گے، نہ ایک گھڑی آگے بڑھیں گے۔

گویا انبیاء کی بعثت کا اصلی مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو اُمت صالح اور نیکو کار ہے وہ زندگی اور حیات کے ولولوں سے معمور ہو جائے اور جو قوم راہ حق و ہدایت سے ہٹ کر گمراہیوں اور شرارتوں میں پڑ چکی ہے وہ تباہ ہو جائے۔ اور یہ بات حق و باطل کی کشمکش کے لازمی نتیجہ کے طور پر آپ سے آپ ظہور میں آجاتی ہے۔

نبی کا مخصوص معیار کارکردگی

چونکہ نبی کی ذات خدا کے عدل کا مظہر اور اس کی بعثت کا زمانہ قوم کی عدالت کا زمانہ ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نبی کے مواخذہ میں بھی کمال عدل کا اظہار فرماتا ہے۔ اس پر ان معاملات میں بھی گرفت کی جاتی ہے جن معاملات پر دوسروں سے اس شدت سے گرفت نہیں کی جاتی۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کو شفقت پر، حضرت داؤدؑ کو تمنا پر اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محبت و رافت پر عتاب ہوا۔ اور حضرت یونسؑ کا حیا پر اور حضرت سلیمانؑ کا جہاد فی سبیل اللہ کی تیاریوں میں حد درجہ انہماک پر محاسبہ کیا گیا۔

انبیاء پر شدید گرفت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں پاکیزہ رکھنا اور برائی میں پڑنے سے بچانا چاہتا ہے۔ ہم انبیاء کے مواخذہ کے ذکر کے لئے یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں، اس کی تفصیل آگے "عصمت انبیاء" کی بحث میں آئے گی۔

خود انبیاء کی فطرت بھی چونکہ عدل پر ہوتی ہے اس لئے وہ پروردگار کے ہاں تقرب کے باعث تمام لوگوں سے زیادہ خدا خوفی رکھنے والے اور عاجزی کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے احساسات کی شدت کی وجہ سے خدا کے آگے جھکے ہوئے رہتے ہیں۔ ان کا یہ حال انہیں رب کی عنایات کا خاص طور پر مستحق بنا دیتا ہے۔ ان کے معاملہ میں اللہ کی سنت ان کی استعداد کے مطابق اور اس عدل کے مطابق ظاہر ہوتی ہے جس کا مظاہرہ پورے زمانہ بعثت میں ہوتا ہے۔

اعلان! ——— اپیل!

ماہنامہ "میثاق" کے فروری ۱۹۶۴ء کے شمارہ سے رسالہ کے صفحات میں عارضی طور پر چار ورق کی کمی کی جارہی ہے۔ اس کا سبب کاغذ اور وسائلِ طباعت و اشاعت کی موجودہ گرانباری ہے۔ اس وقت رسالہ جس تعداد میں شائع ہو رہا ہے اس کے پیش نظر فی پرچہ (۴۸ صفحات پر) کم از کم پینتالیس ۴۵ پیسے لاگت آتی ہے اس کے بعد جو کچھ تھوڑا سا پس انداز ہوتا ہوا نظر آتا ہے وہ ایجنٹ حضرات کے کمیشن اور بعض کی بے اعتنائی کی بھینٹ چڑھ کر نقصان کا باعث بنتا ہے۔ مزید برآں پرچہ کی ایک کثیر تعداد تبادلہ اور نمونہ و تعارف میں بھی نکلجاتی ہے۔ ہم نے "میثاق" کے خریدار حضرات سے نئے خریدار بنانے کی اپیل کی تھی اور اس ذریعہ سے مدد و اعانت چاہی تھی مگر افسوس ہے اب تک اپیل کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس رسالہ کو پسند کرنیوالا ہر فرد اگر ایک نیا خریدار بنائے تو اس کی اشاعت فوراً دگنی ہو جاتی ہے ——— اب ہم نے زبردستی "میثاق" کو پڑھنے والے ہر شخص سے (چار ورق کی کمی کی) اعانت حاصل کر لی ہے لیکن چونکہ یہ چیز بہر حال ہے ناگوار خاطر، اس لئے جونہی حالات نے اجازت دی یہ خلا فوراً پُر کر دیا جائے گا۔ اس دوران میں یہ کمی عبارت کو قدرے خفی کر کے بھی ایک حد تک پوری کی جائے گی

"مینیجر"

اقتباسات و تراجم

قرآن سے بے تعلقی

جناب محمود احمد صاحب

قرآن سے بے تعلقی کی متعدد شکلیں ہیں۔ کبھی اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قرآن سننے کا شوق ختم ہو جاتا ہے اور اس پر ایمان اٹھ جاتا ہے۔ کبھی اس پر عمل کرنے اور اس کے ٹھہرائے ہوئے حرام و حلال پر رہوارِ نفس کو روکنے میں بے بسی کا اظہار ہوتا ہے، خواہ بظاہر اسے پڑھنے کا اہتمام بھی ہو اور اس پر ایمان کا دعویٰ بھی۔ ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ بندہ قرآن کو حکم بنانا اور دین کے اصول و فروع میں قول فیصل کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا ترک کر دیتا ہے، اس کے دل میں یہ بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے کہ یقین حاصل کرنے کے لئے قرآن کچھ مفید نہیں، اس کے دلائل الفاظ کا گورکھ دھندا ہیں جن سے حقیقی علم حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن سے بے تعلقی کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ اس پر غور و فکر کرنے، اس کو سمجھنے اور کہنے والے کے منشا سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ وہ لوگ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں جو جملہ قلبی امراض اور وساوس نفس میں قرآن سے چارہ جوئی اور شفاء طلبی نہ کریں اور اسکو نظر انداز کر کے دوسری چیزوں سے شفاء چاہیں۔

قرآن کی آیت

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔

"اور رسول پکار اٹھا کہ میرے پروردگار میری قوم نے تو اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔"

بے تعلقی کی ان تمام شکلوں پر حاوی ہے، اگرچہ ان میں سے بعض شکلیں نسبتاً معمولی ہیں۔

قرآن کی طرف سے بے اطمینانی اور دل کی تنگی کا بھی یہی حال ہے کبھی تو اس کے منزل من اللہ ہونے اور خدا کا برحق کلام ہونے کے بارے میں کھٹک پیدا ہو جاتی ہے، کبھی دل میں یہ وسوسہ جاگزیں ہو جاتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ مخلوقات ہی میں سے کسی کا شاہکار ہے جسے اس نے لوگوں سے ہمکلام ہونے کیلئے الہام کیا۔ کبھی اس کی کفایت اور عدم کفایت کے پہلو سے دل تنگ ہونے لگتا ہے اور یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ قرآن بندوں کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کے ہوتے ہوئے بھی معقولات، قیاس آرائیوں، عقلی گدوں اور سیاسی ہیر پھیر کے بغیر چارہ نہیں۔ بعض اوقات یہ گھٹن قرآن کی دلالت اور ان حقائق

کے بارے میں ہوتی ہے جو اس کی آیات سے مراد ہوتے ہیں۔ لوگ ان حقائق کی ایسی ایسی تاویلات کر لیتے ہیں جن کا اصل سے کوئی جوڑ نہیں ہوتا۔ کبھی ان حقائق کا اصل مقصود ہی مشتبہ ہونے لگتا ہے۔ اور یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ باتیں فی الحقیقت مراد ہیں یا ان کا ذکر صرف مصلحت کی خاطر کیا گیا ہے۔ قرآن کے بارے میں اسطرح کے خیالات رکھنے والے تمام لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے گھٹن پیدا ہو جاتی ہے خود انہیں اس کا شعور ہوتا ہے اور اسے وہ اپنے دلوں میں جاگزین پاتے ہیں چنانچہ تم کوئی بدعتی ایسا نہیں پاؤ گے جس کے دل میں ان آیات کے بارے میں کھٹک نہ ہو جو اس کی بدعت کے خلاف پڑتی ہوں۔ اسی طرح کوئی ظالم اور فاجر ایسا نہ ملے گا جو ان آیات کے سبب سے دل گرفتہ نہ ہو جو اس کے منصوبوں کے راستے میں حائل ہوتی ہوں۔ پس یہ نکتہ اچھی طرح دلنشین کر لو اور پھر جو راہ چاہو اختیار کرو۔

اللہ پر توکل

توکل علی اللہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ اپنی دنیاوی آسائشوں اور حاجتوں کے حاصل کرنے اور دکھ درد سے چھٹکارا پانے میں اللہ پر توکل کرے۔ دوسری یہ کہ بندہ ان چیزوں کے حصول کے لئے خدا پر توکل کرے جنہیں اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اور جو اس کے نزدیک پسندیدہ ہیں، مثلاً ایمان، جہاد اور دعوت الی اللہ۔ توکل کی اس قسم کو پہلی قسم پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا احاطہ خدا ہی کر سکتا ہے البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ بندہ جب دوسری قسم کا توکل کرتا ہے اور اس کا حق ادا کر دیتا ہے تو اس کا یہ توکل پہلی قسم کے توکل کو خود بخود سمیٹ لیتا ہے۔ ہاں جب وہ صرف پہلی قسم کے توکل پر اکتفا کرے تو یہ بھی اگرچہ ایک حد تک کفایت کرتا ہے لیکن اس کی عاقبت بہرحال اس بندے کی سی نہیں ہو سکتی جو خدا کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں میں اس پر توکل کرتا ہے۔ لہٰذا توکل کا عظیم ترین درجہ یہ ہے کہ ہدایت، توحید خالص پیروی رسول اور اہل باطل سے جہاد جیسے اہم معاملات میں اللہ پر توکل کیا جائے اور یہی توکل خدا کے فرستادوں اور ان کے خاص متبعین کا امتیاز تھا۔

توکل کبھی تو اضطرار اور مجبوری کا توکل ہوتا ہے جب بندہ اس کے سوا کوئی دوسری راہ ہی نہ پا رہا ہو، اسباب و وسائل تنگ ہو جائیں، دل گھٹنے لگے اور یہ یقین ہو جائے کہ اب پناہ مل سکتی ہے تو صرف خدا کے ہاں، لیکن کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ ایسا توکل آسانی اور کشائش حاصل ہونے پر بھی برقرار رہے۔ اس

کے برعکس توکل اختیاری بھی ہوتا ہے جب یہ ان اسباب و وسائل کے ہوتے ہوئے کیا جائے، جن کے ذریعے سے مراد اور مقصود کے حصول کا گمان ہو۔ اسباب و وسائل حرام و حلال دونوں قسم کے ہوتے ہیں اگر یہ اسباب ایسے ہوں جن کے اہتمام کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تب تو ان سے بے پرواہی قابل ملامت ہوگی۔ لیکن اگر توکل سے صرف نظر کر کے صرف وسائل ہی پر بھروسہ کیا جائے تو یہ اور بھی زیادہ مذموم حرکت ہوگی کیونکہ نص قرآنی اور اجماع اُمت کی رُو سے اسباب اور توکل دونوں کو بیک وقت جمع کرنا واجب ہے۔ البتہ مطلوب تک پہنچنے کا اگر ایک ہی وسیلہ ہو، اور وہ حرام ٹھہرایا جا چکا ہو، تو اس کے قریب بھی نہ پھٹکنا چاہیئے اور توکل ہی کو واحد وسیلہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ مراد تک پہنچنے اور مکروہات سے جان چھڑانے کے لئے توکل ایک مؤثر وسیلہ ہی نہیں بلکہ مؤثر ترین وسیلہ ہے۔ جب یہ صورت ہو کہ کسی سبب کا حرام و حلال ہونا ثابت نہ ہو تو بندے کو خوب غور کر کے یہ متعین کرنا چاہیئے کہ آیا اس کے اختیار سے توکل کمزور پڑتا ہے یا نہیں۔ اگر اس کے اختیار سے پائے توکل میں لغزش آئے، دلجمعی کی کیفیت باقی نہ رہے اور ارادہ متزلزل ہو جائے تو ایسے وسیلے سے صرف نظر بہتر ہے۔ البتہ اگر اس سے توکل میں کوئی کمی نہ آئے تو اختیار اولیٰ ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ احکم الحاکمین کی حکمت نے ہی توکل کا مسبب سے ناتا جوڑا ہے، لہٰذا بندے کے لئے یہ کسی طرح روا نہیں کہ اس کی حکمت کو معطل کرنے کے درپے ہو تاوقتیکہ کہ اس حکمت کا لحاظ رکھنا ممکن نہ رہے۔ جب کسی وسیلے کو اختیار بھی بندگی ہی کے جذبے کے ساتھ کیا جائے تو کیا کہنے، پھر تو گویا دل اور اعضاء و جوارح سب خدا کی بندگی میں شریک ہو گئے۔ دل خدا پر توکل کر کے اور اعضاء و جوارح اس وسیلے کا اہتمام کر کے جس سے مقصود تک پہنچنے کی توقع ہو۔ توکل کا ثبوت جس چیز سے ملتا ہے وہ اسباب و وسائل کے حصول کی کوشش ہی ہے۔ جو شخص یہ کوشش نہ کرے اس کا توکل صحیح نہیں۔ جس طرح مناسب اسباب و وسائل کا اہتمام ہی مال و دولت حاصل کرنے کے خواب سچ کر دکھاتا ہے اور ان اسباب سے بے پرواہی برتنے والے کی اُمیدیں بے بنیاد تمنا سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں اسی طرح اسباب و وسائل سے غفلت آدمی کے توکل کو بھی بے چارگی میں تبدیل کر دیتی ہے اور وہ اسی بے چارگی کو توکل کا نام دیتا ہے۔

حقیقت میں توکل کی بنیاد اور اس کی اصل خدائے واحد پر پورا قلبی اعتماد ہے۔ جس طرح غیر اللہ پر اعتماد اور بھروسہ رکھتے ہوئے خدا پر توکل کا زبانی دعویٰ کسی کام نہیں آتا اسی طرح توکل کے ساتھ اسباب و وسائل کے حصول سے بھی کسی نقصان کا اندیشہ نہیں بشرطیکہ آدمی کے دل کے کسی گوشے میں بھی ان پر اعتماد نہ

ہو اور وہ ان پر بھروسہ نہ کرے - پس زبان کا توکل ایک شے ہے اور دل کا توکل ایک الگ شے - یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے زبان کی توبہ، جب کہ دل گناہوں سے چمٹا رہے، ایک چیز ہے اور دل کی توبہ، خواہ زبان گنگ ہی کیوں نہ رہے، ایک الگ چیز - چنانچہ اللہ پر توکل کا دعویٰ، درآنحالیکہ دل میں کسی دوسرے پر اعتماد جاگزین ہو، ایسا ہی ہے جیسے کوئی زبان سے توبہ توبہ کی ضربیں لگائے اور حال یہ ہو کہ وہ گناہوں میں لت پت ہو اور ان سے چمٹا رہنے کا تہیہ بھی کئے ہوئے ہو-

(الفوائد)

مکتبۂ "میثاق"!

رحمان پورہ اچھرہ لاہور ۱۲

- آپ کو ہر کتب خانہ کی دینی اور علمی مطبوعہ کتابیں فراہم کر سکتا ہے۔
- جب بھی آپکو کسی کتاب کی ضرورت ہو تو ایک پوسٹ کارڈ تحریر فرمائیے!
- [illegible] کی کتابیں [illegible] دستیاب کرنے کی کوشش کی جائے گی۔
- چھ روپے -/۶ سے زائد قیمت کی کتابوں پر ڈاک خرچ معاف!

"مینجر"

محی الدین پرنٹر پبلشر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر میثاق رحمانپورہ اچھرہ لاہور ۱۲ سے شائع کیا -

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore.

FEBRUARY 1964

چند اہم مطبوعات

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

تدبر قرآن (قرآن فہمی کی رہنما)	3—25
تدبر قرآن (تفسیر آیہ بسم اللہ و سورہ فاتحہ)	0—75
اسلامی قانون کی تدوین	2—00 و 3—00
عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ	2—25
تزکیہ نفس	3—75 و 6—00

مطبوعات دیگر مصنفین

حضرت محمد ص	22—50
(آنحضرتص) سیرت ابن ہشام	10—00
ابوبکر رض صدیق اکبر	10—00
عمر رض فاروق اعظم	20 00
امام اعظم رح	4—00
حیات امام احمد بن حنبل رح	10—00
آثار امام شافعی رح	12—00
حیات امام مالک رح	10—00
حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح	21—00
تعبیر کی غلطی (جماعت اسلامی کا جائزہ)	6—00
زاد سفر (حصہ اول)	3—75
قادیانیت	4—00
ISLAM & THE WORLD	4—00

مکتبہ میثاق (رحمان پورہ) اچھرہ ۔ لاہور۔12